دینکم ولی دین - (۱)

اے پیغمبر کہ دو اے کافرو میں ان معبدوں کی پرستش نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو۔ اور جس کی میں پرستش کرتا ہوں اس کی تم نہیں کرتے نہ میں تمہارے معبدوں کی پرستش کروں گا۔ جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

یہ چند آیتیں رواداری کا ایک ایسا میثاق ہیں جو اپنی نوعیت میں پہلی مثال ہے۔ یہ میثاق صاف واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں کافروں اور مشرکوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب روایات اور مسائل پر پرقائم رہیں **لکم دینکم ولی دین** یہ الفاظ رواداری اور وسعت قلب کا ایسا چارٹر ہیں جس پر آج بھی دنیا کی کسی قوم کا عمل نہیں۔ صرف یہی نہیں کہ عمل نہیں، نظری اور اصولی طور پر بھی جسے دنیا نے یا دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کے علاوہ کسی دوسری قوم نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ ہم تاریخ تک کو جھٹلا سکتے ہیں لیکن کیا مشاہدات کو بھی جھٹلا دیں گے؟ ہماری آنکھیں آج اپنے گردوپیش کیا دیکھ رہی ہیں؟ کیا اس معاملہ میں دنیا کی کوئی قوم بھی دیانت داری سے ہماری حریف بن سکتی ہے؟

تفسیر جلالین میں ان آیات کا شان نزول یہ بتایا گیا ہے:

قال رهط من المشركين للنبی ﷺ تعبد الهتنا سنة و نعبد الهک سنة - (۲)

یعنی مشرکین کی ایک جماعت سے آنحضرت ﷺ سے کہا (سمجھوتہ یوں ہوسکتا ہے کہ) ایک برس آپ ہمارے معبودوں کو پوجیں، ایک سال ہم آپ کے خدا کو پوج لیا کریں گے۔

اس کے جواب میں قرآن کہتا ہے نہیں، عقائد کے معاملہ میں مفاہمت نہیں ہوسکتی، ہم اپنے مسلک سے منحرف نہیں ہوسکتے تم اپنے مسلک پر قائم رہو۔

رواداری کی اساس:

لیکن آخر اسلام اس قدر وسیع القلب اور روادار کیوں ہے؟ وہ اپنی سچائی کو زور وقوت اور طاقت کے بل پر منوانے سے کیوں گریز کرتا ہے؟ وہ صرف افہام وتفہیم اور دعوت وتبلیغ ہی پر زور کیوں دیتا ہے؟ وہ بھی موقع پا کر کیوں نہیں تلوار نکالتا؟ اور مخالفین اور در اندازوں، بدخواہوں منکروں، کافروں اور مشرکوں کی گردن اڑا دیتا ہے؟

ہاں ایسا ہوسکتا تھا لیکن اس لئے نہیں ہوا کہ دلیل تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے، اسلام ناقابل فہم فلسفے پیچیدہ اور دوراز کار نظریات، عوام الناس کی فہم سے بالاتر تصورات، داستانوں، قصوں کہانیوں، روایتوں اور شعروں کا مجموعہ نہیں ہے، جسے اگر کوئی نہ سمجھے یا سمجھنا نہ چاہے تو اس کی اصلاح کے لئے تلوار کا نسخہ ضروری ہو، وہ اپنے جلو میں آیات محکمات رکھتا ہے، دلائل واضح رکھتا ہے، ایسی نشانیاں رکھتا ہے جو آنکھ بند کر لینے کے بعد بھی دکھائی دیتی ہیں، وہ خارج از قیاس باتیں نہیں کرتا، ایسی باتیں کہتا ہے جنہیں ایک عامی، ایک جاہل ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے، وہ افلاطون اور سقراط کا فلسفہ نہیں پیش کرتا، آیتیں اور نشانیاں پیش کرتا ہے، وہ ذہن اور دماغ کو مرعوب اور دہشت زدہ نہیں کرتا، انہیں صحیح راستہ پر ڈالتا ہے، وہ یہ نہیں کہتا کہ مانو اور نہیں مانو گے تو مٹ جاوگے، وہ صرف یہ کہتا ہے کہ دیکھو اور غور سے دیکھو سنو اور توجہ سے سنو سوچو۔ اس دنیا کے نظام کو اور اس کی باقاعدگی کو دیکھو، دریاؤں کی روانی، سمندروں کا مدوجزر، چاند، سورج اور ستاروں کا طلوع وغروب، ایک ہی پانی سے سیراب ہو کر اور ایک ہی زمین میں دفن ہو کر اور ایک ہی زمین سے پیدا ہو کر کسی بیج کا گیہوں بن جانا، کسی کا جوار، کسی کا دھان کسی کا آم، کسی کا خربوزہ، کسی کا تربوز۔ یہ تاثیر کس نے پیدا کی ہے؟ یہ نظام کس نے قائم کیا ہے؟ یہ اصول کس نے بنایا ہے؟ ذرا سوچو کیا ان بتوں نے جن کے خالق تم خود ہو؟ اور ذرا بے توجہی کرو تو وہ پھر مٹی کا ڈھیر بن جائیں؟ کیا ان دیویوں اور دیوتاؤں نے جنہیں یہ توفیق بھی نہیں کہ سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر دیں؟ کیا ان مظاہر اور مناظر نے جنہیں تم بڑے ذوق وشوق سے پوجتے اور مانتے ہو؟ لیکن جو قدرت کی ایک معمولی ضرب کی تاب بھی نہیں لاسکتے۔ کیا یہ باتیں خدا کی یکتائی پر دلالت نہیں کرتیں؟ اس کی سلطانی اور کارفرمائی کا زندہ جاوید اور ناقابل تردید ثبوت نہیں؟ جب سوچو گے تو دل مانے گا، لیکن دماغ خاندانی بندشوں، دماغی الجھنوں، روایاتی دشواریوں کا سنگ گراں پیش کر دے گا۔ پھر اگر تم حق کو محسوس

کرنے کے باوجود نہیں مانتے تو بدقسمت ہو، اس قابل ہو کر تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے، اب حق و باطل مخلوط نہیں، الگ ہو چکے ہیں تمہارے سامنے دونوں راستے موجود ہیں خواہ حق کو قبول کرلو خواہ باطل کو، چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی۔ (۳)

دین میں (زبردستی کا کچھ کام) نہیں، گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہوچکی ہے۔

گویا رواداری کی اساس یہ قرار پائی کہ چونکہ حق اور باطل نے جداگانہ اور متمائز صورت اختیار کرلی ہے، لہذا اب جبر و جور کا سوال ہی باقی نہیں رہتا، ہاں افہام و تفہیم کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے:

ظھر بالایات البینات ان الایمان رشد۔(۴)

یعنی آیات بینات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ایمان رشد (ہدایت) ہے، اور کفر گمراہی ہے۔

افہام و تفہیم کا اسلوب:

قرآن کریم کا جتنا گہرا مطالعہ کیا جائے گا، اتنی ہی یہ حقیقت سنتف ہوتی چلی جائے گی کہ اسلام صرف افہام و تفہیم کا قائل ہے، وہ دل جیتنا چاہتا ہے سر اور زبان نہیں، وہ رواداری کے اصول پر اتنا زیادہ جما ہوا ہے کہ اسے بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ جوش عقیدت یا غلو میں آکر کوئی شخص مذاہب باطلہ کے معبودوں کے لئے کوئی نازیبا اور ناملائم لفظ استعمال کرے، وہ باطل کو باطل کہتا ہے، جہالت کو جہالت، کفر کو کفر، شرک کو شرک اور گمراہی کو گمراہی قرار دیتا ہے، لیکن اسے تسلیم نہیں کرتا کہ حقانیت ثابت کرنے کے لئے دلیل کے علاوہ سب دشنم یا ہتھیار کا سہارا بھی لیا جائے، چنانچہ سورۂ انعام میں فرمایا:

ولاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ (۵)

خدا کے علاوہ جو لوگ دوسروں کو پوجتے ہیں، انہیں برا بھلا مت کہو، کیونکہ پھر وہ بھی بغیر جانے بوجھے از راہ عداوت خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

غور فرمائے آپ کے سب دشتم کے جواب میں جو لوگ خدا کو برا بھلا کہیں گے، ان کے لئے قرآن نے دو لفظ استعمال کئے ہیں کہ عدو اور بغیر علم!

یعنی جو لوگ تمہارے جواب میں خدا کے لئے نازیبا اور ناملائم الفاظ استعمال کریں گے وہ جہالت (بغیر علم) اور عداوت کا کرشمہ ہوگا (۶) نہ کہ واقعیت اور حقیقت کا لہذا ایسے لوگوں کو اس کا موقع ہی نہ دینا چاہئے، تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہاری عزت کی جائے، تو ضرور دوسروں کی عزت تمہیں کرنا پڑے گی، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے خدا کے خلاف ناشائستہ اور ناگفتہ بہ الفاظ نہ سنو تو لازمی ہے کہ معبودانِ باطل کے خلاف بھی لب کشائی کرتے وقت احتیاط برتو تم اگر انہیں برا نہیں کہو گے، تو یہ کافر اور مشرک مجبور ہوں گے کہ تمہارے خدا کے خلاف فضول گوئی سے کام نہ لیں۔

صاحب جلالین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بتوں کے سب دشتم کی جو ممانعت آئی ہے درحقیقت سبّ خداوندی سے روکنے کے لئے ہے۔ (۷)

تبلیغ کے اصول:

اسلام نے نہایت غیر مشکوک اور بالکل واضح طور پر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اسلام کی دعوت کس طرح دی جائے؟ بحث و مباحثہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نزاع و جدال کی صورت اختیار کر لیتا ہے، لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا وہ اسے ناپسند ہی نہیں کرتا، بلکہ اس سے منع بھی کرتا ہے، چنانچہ سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔(۸)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ سے کام لے کر لوگوں کو دعوت دو، اور ان سے مجادلہ کرو تو بطریق احسن۔

حکمت اور موعظت کتنے جامع الفاظ ہیں، یہ نہیں فرمایا جاتا کہ لوگوں کو دین کی دعوت تلوار کی نوک پر دو، یہ بھی نہیں ارشاد ہوتا کہ تبلیغ مذہب کے لئے تحریص وترہیب سے کام لیا جائے کہ یہ چیزیں زبان کو قابو میں لاسکتی ہیں دل کو اثر پذیر نہیں کرسکتیں، تاکید فرمائی کہ اپنے رب کے دین کی طرف حکمت اور موعظت کے ساتھ دعوت دو تاکہ دعوت دل تک پہنچے، اور دل جس چیز کو قبول کرلیتا ہے پھر اس سے کبھی منحرف نہیں ہوتا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے گرہ میں باندھ لیتا ہے اور اسی کا ہو رہتا ہے۔

عام زندگی کے مسائل پر بھی جب بحث وگفتگو کا آغاز ہوتا ہے تو بہت جلد یہ گفتگو درشتی اور تلخی کا رنگ اختیار کرلیتی ہے، پھر وہ مسائل جو عقائد سے تعلق رکھتے ہوں ان پر بحث و گفتگو کا انجام عام طور پر سب وشتم اور دست وبازو کے مظاہرۂ قوت پر ختم ہوتا ہے۔ اسلام اس اندازِ کلام کو پسند نہیں کرتا، وہ سچائی کا منادہے اور سچائی کے لئے نہ زور قوت کی ضرورت ہے نہ جبر واکراہ کی، ہاں یہ ضرورت ہے کہ اسے پیش ایسے انداز میں کیا جائے جو دل میں اتر جائے جس سے اعراض وانکار کا امکان باقی نہ رہے، اور اس کے لئے حکمت وموعظت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہوسکتا حکمت اور موعظت کا اصول پیش نظر رکھ کر جب بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا جائے گا، اثر انگیز اور نتیجہ خیز ثابت ہوگا اور جب اس اصل الاصل کو نظر انداز کردیا جائے گا تو جنگ و پیکار اور سب وشتم کے سوا کوئی اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا، اسلام کے داعی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اسی اصول کو پیش نظر رکھا اور داعیٔ اسلام کے جانشینوں نے بھی اسی اصول کو اپنا شعار بنایا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پھلتا، پھولتا، بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا۔

کتب تفسیر میں بھی ان دونوں الفاظ کی معنویت اور اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے چنانچہ زمخشری، قاضی اور بیضاوی وغیرہ نے لفظ حکمت سے مراد لیا ہے ''الحکمۃ الصحیحۃ'' پھر اس کی مزید تشریح کی ہے:

وھی الدلیل الموضح الحق للشبھہ۔ (۹)

حکمت اس چیز کا نام ہے جو شبہ کے مقابلے میں حق کو واضح کردیتی ہے۔

اسی طرح موعظہ حسنہ کے لئے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد القول الرقیق ہے۔ پھر اس کی تشریح کی ہے۔

ان الذی فیه الرفق۔(۱۰)

وہ بات جس میں رفق وعادت کا پہلو غالب ہو۔

اب مجادلہ احسن کو لیجئے یعنی وہ کون سا مجادلہ ہے جو احسن ہو؟

وجادلهم بالتی هی احسن کا لدعاء الی الله بآیا ته والدعاء الی حججه۔(۱۱)

کفار ومشرکین سے احسن طور پر مجادلہ کرو، مثلاً انہیں اللہ کی آیتوں نشانیوں اور حجتوں اور دلیلوں کی طرف دعوت دو۔

تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مجادلہ اس مناظرۃ (جھگڑے) کا نام ہے، جس کا مقصد اظہار حق نہیں ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ مقابل کو الزامی جواب دے کو خاموش کر دیا جائے لیکن اس جگہ مناظرہ اور جدل احسن سے مراد ایسی دلیل ہے، جو ان مقدمات سے مرکب ہو جو جمہور (عوام) کے نزدیک طے شدہ ہیں، نیز ان مقدمات سے مرکب ہو، جو خود قائل کے لئے بھی تسلیم شدہ ہوں۔(۱۲)

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی رواداری:

ابوبکر صدیق ذاتی طور سے نرم طبیعت کے مالک تھے آپ نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد باغیوں کے خلاف حضرت اُسامہ کا جو لشکر بھیجا اُسے نصیحت کی ۱۔ خیانت نہ کرنا ۲۔ نفاق نہ کرنا ۳۔ بدعہدی نہ کرنا ۴۔ لاش کے ٹکڑے نہ کرنا ۵۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا ۶۔ کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا اور نہ جلانا ۷۔ پھل دار درخت کو سوائے کھانے کے اور کوئی نقصان نہ پہنچانا ۸۔ بغیر کسی وجہ کے بکری گائے اونٹ ذبح نہ کرنا ۹۔ خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو کچھ نہ کہنا ۱۰۔ لوگ تمہارے لیے کھانا لائیں گے اگر کھانا چاہو تو اللہ کا نام لے کر کھانا

(۱۳) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کے آپ نے دشمنوں کے ساتھ کتنے حسنِ سلوک کا حکم دیا مجرم کے ساتھ رعایت کا ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

مرتد باغی عینیہ ابن حصن نے اظہار ندامت بھی نہیں کیا، بلکہ اپنی دریدہ دہنی اور گستاخی پر قائم رہا:

> عیینہ بن حصن اس حالت میں آیا کہ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے اس کی گردن پر بندھے تھے، مدینے کے لڑکے کھجور کی شاخوں سے اسے کوچتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ کے دشمن ایمان لانے کے بعد تو کافر ہوگیا اس نے جواب دیا کہ میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا تھا، ابوبکرؓ نے اسے بھی معاف کر کے اس کی جان بخشی کردی۔ (۱۴)

ملاحظہ فرمائے، ایک شخص ہے جو جرم ارتداد میں ماخوذ ہے، اس کی تشہیر ہو رہی ہے، اور اس حالت میں بھی وہ کہہ رہا ہے۔ ''میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا''۔

مگر حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر کہ اب سانپ کے دانت ٹوٹ چکے ہیں بغاوت کا زور ختم ہو چکا ہے، اس کی جان بخشی کر دیتے ہیں، اور پروانہ معافی صادر کر دیتے ہیں، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ لڑائی انہی لوگوں سے کی گئی، جو صرف مرتد ہی نہیں، باغی بھی تھے، لیکن جن کا باغیانہ دم خم ختم ہوگیا انہیں معاف کر دیا گیا؟

آنجناب ﷺ کے جانشینوں نے امن وسلامتی کے اس مشن کو جاری رکھا اور دنیا کو انوکھی مثالیں پیش کیں، سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد جو خطبہ دیا وہ اس مشن کے فروغ کی تابندہ مثال ہے، آپ نے کہا:

> لوگو! مجھے تمہارے معاملات کا نگران بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، میں پیروی کرنے والا ہوں جدت طراز نہیں ہوں، اگر میں ٹھیک طرح معاملات انجام دوں تو میری مدد کرو اور اگر میں بے راہ روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو، تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں اور جو تم میں سب سے کمزور ہے وہ میرے یہاں قوی ہے جب تک میں اسے

اس کا حق نہ دلادوں۔(۱۵)

حضرتِ عمر کی رواداری:

حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ سخت طبیعت کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے کسی غیر مسلم کے خلاف کوئی سختی نہیں کی ابوبکر جصاص نے لکھا ہے

غلام کی عطا کردہ امان:

غلام کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ وہ تو اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے نہ اپنا مالک، نہ اپنے مال کا مالک، نہ کسی ارادہ میں آزاد، نہ کسی محفل میں مختار نہ کسی معاہدے کا سزاوار، لیکن اسلام کا سلوک اپنے غلاموں سے بالکل مختلف تھا، اسلام میں غلام کا مقام وہی تھا، جو ایک آزاد مسلمان کا ہوتا ہے اور ہونا چاہئے، چنانچہ وہ سب کچھ کرسکتا تھا۔

فارس کے علاقہ کے مسلمان ایک شہر کا محاصرہ کرتے ہیں، محصورین کی مزاحمت اس حد تک کمزور ہوجاتی ہے کہ شہر کا فتح ہونا بالکل یقینی ہوجاتا، عین اس حالت میں اسلامی فوج کا ایک غلام شہزادیوں کے نام امان نامہ لکھتا ہے، اور اسے تیر کے ساتھ باندھ کر شہر میں پھینک دیتا ہے، دوسرے دن جب اسلامی فوج شہر پر حملہ کرتی ہے، تو اہل شہر دروزاہ کھول کر باہر آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ہم کو امان دے چکا ہے، اب تم کیوں برسرپیکار ہو؟ امان نامہ دیکھا جاتا ہے تو علم ہوتا ہے ایک غلام کی تحریر ہے، حضرت عمر سے رائے طلب کی جاتی ہے، جواب ملتا ہے، اور اس کے ذمے اور امان کی وہی قدر و قیمت ہے جو عام مسلمانوں کے ذمہ کی ہے، لہذا اس کی دی ہوئی امان نافذ کی جائے۔(۱۶)

سیدنا عمرؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جن اہم باتوں کی اہمیت فرمائی ان میں ایک یہ بھی تھی۔

اپنے بعد میں آنے والے خلیفہ کو میں ان غیر مسلموں کے حق میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ جو معاہدہ ہے پورا کیا جائے اور ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے جنگ کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔(۱۷)

حضرت عثمانؓ کی رواداری:

حضرت عمرؓ کے زمانے میں متعدد مقامات تھے، جن پر مسلمانوں کا غلبہ اور تسلط ہوگیا، اور ان کی زندگی تک کام خوش اسلوبی سے چلتا رہا، کسی طرح کی شورش، یا سرکشی، یا بغاوت ظہور میں نہیں آئی، لیکن ان کے انتقال کے بعد متعدد مقامات پر بغاوت اور شورش کے شعلے بھڑک اُٹھے، چنانچہ، آرمینیا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا تھا، حضرت عثمان کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد باغی ہوگیا، بغاوت کی سزا قتل و غارت ہی کی صورت میں دی جاسکتی ہے، ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے، اور شاید ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا، چنانچہ آرمینیا کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھی اسلامی فوجیں روانہ ہوئیں، باغیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن بالآخر اسلامی فوجوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے، چنانچہ:

> جب حضرت عثمان کے عہد میں آرمینیا میں بغاوت ہوئی تو ۲۶ھ و ۶۴۶ء میں آپ نے حضرت معاویہؓ بن سفیان کو جنہیں آپ شام اور جزیرہ کا گورنر بنا چکے تھے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آرمینیا پر چڑھائی کریں حضرت معاویہ نے حبیب بن مسلمہ الفہری کو جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی آرمینیا پر چڑھائی کر چکے تھے، چھ ہزار فوج دے کر وہاں بھیجا، حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کرلیا، جب شہر والوں کو ہر طرف سے مدد پہنچنی بند ہوگئی تو وہ مجبوراً اس شرط پر صلح کے طالب ہوئے کہ اگر ان کو امان دے دی گئی تو وہ جزیہ دینے کے لئے تیار ہیں چنانچہ یہ شرط قبول کرلی گئی، قالیقلا کو سر کر لینے کے بعد وہاں کے متعدد باشندوں کو جلا وطن کر دیا گیا کیونکہ وہ سخت فتنہ پرواز اور فسادی تھے۔ (۱۸)

اس واقعہ میں چند قابل غور امور نظر آتے ہیں:

۱۔ ''باغیوں نے اسلامی فوج کے پہنچنے کے بعد، کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا، نہ اطاعت پر آمادگی ظاہر کی، لڑے اور ڈٹ کر لڑے۔

۲۔ جب کوئی آس باقی نہیں رہ گئی، تو صلح پر تیار ہوئے۔

۳۔ اسلامی لشکر نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ نہیں اُٹھایا، بلکہ صلح کر لی اور جزیہ عائد کر دیا۔

۴۔ کسی قسم کی انتقامی کارروائی، اسلامی فوج کی طرف سے نہیں کی گئی حالانکہ باغیوں کا طرز عمل اس کا متقاضی تھا، کہ ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے۔

۵۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ حد درجہ فتنہ طراز، فساد انگیز اور شورش پسند ثابت ہوئے، انہیں بھی نہ قتل کیا گیا، نہ جیل میں بند کیا گیا، نہ غلام بنایا گیا، نہ کسی اور طرح کی سختی کی گئی، بس یہ کیا گیا کہ انہیں جلاوطن کر دیا گیا، تاکہ سانپ کے دانت ٹوٹ جائیں اور وہ دوبارہ نہ ڈس سکے، یہ اگر سزا تھی تو اس سے بلکی اور نرم سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ہمارے سامنے حال کے جو واقعات ہیں، وہ تو یہ ہیں کہ وہ دو آزاد، اور خود مختار قومیں جو ہرگز ایک دوسرے کی مطیع اور محکوم نہیں ہوئیں، جب لڑتی ہیں تو فاتح قوم، مغلوب قوم کے تمام سربرآوردہ، اصحاب پر حب وطن کے جرم میں مقدمے چلاتی ہیں، اور انہیں پھانسی پر لٹکا دیتی ہے، ان کی جائداد ضبط کر لیتی ہے، اور انہیں عبرت انگیز سزا دیتی ہے، حالانکہ ان کا جرم حب وطن کے سوا، کچھ نہیں ہوتا انہیں سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کا ساتھ کیوں دیا، اور دشمن سے کیوں لڑے لیکن اسلامی عہد حکومت میں ایسا کبھی نہیں کیا گیا۔

حضرت عثمانؓ اسی رواداری کے سبب شہید کر دیئے گئے۔

حضرت علیؓ کی رواداری:

ذمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ خاص طور پر بہت زیادہ رحم ہمدردی اور رواداری کا تھا، وہ اسے ہرگز گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے ساتھ ناروا برتاؤ کیا جائے یا انہیں ہدف ظلم وستم بنایا جائے، جب کبھی آپ کو کوئی ایسی اطلاع ملی تو آپ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کے تدارک کی طرف توجہ فرمائی ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ ایک عامل کا برتاؤ ذمیوں کے ساتھ اہانت آمیز ہے، آپ ﷺ نے بہت سختی کے ساتھ انہیں ڈانٹا (۱۹) اسی طرح ایک مرتبہ ذمیوں نے یہ شکایت کی کہ ان کی نہر جس سے وہ اپنے کھیتوں کو پانی دیتے تھے مٹی سے

پٹ گئی ہے، آپ نے اس شکایت کی طرف فوراً توجہ کی اور وہاں کے عامل قرضہ بن کعب انصاری کو لکھا:

> تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے شکایت کی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ گئی ہے، اس کا بنانا مسلمانوں کا فریضہ ہے تم اسے فوراً درست کرادو مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ ذمی اپنی زمین پر آباد رہیں بجائے اس کے کہ وہ ترکِ وطن پر مجبور ہو جائیں اور ملک کی فلاح و بہبود میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں۔(۲۰)

خلاصہ بحث:

خلافت راشدہ جو حضور اکرم کی صحیح جانشین تھی ایسا پر امن ماحول تخلیق کرنے میں کامیاب ہوئی کہ اسے عالمی تاریخ میں مثالی حیثیت دی گئی، مشہور مغربی مؤرخ ڈاکٹر گستاولی بان نے خلافت راشدہ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ تاریخ کی شہادت ہے، وہ لکھتا ہے:

خلفاء راشدین جس ملکی خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق ان کی سپہ گری اور اس فن حرب کے تھی جس انہوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا، شروع ہی سے انہیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا جن کی حکومت میں انہیں بہت زیادہ آسائش تھی، مفتوح اقوام کا طریقہ عمل کیا ہونا چاہئے، نہایت اور صریح طور پر مقرر کر دیا گیا اور خلفاء اسلام نے ملکی اغراض کے مقابلہ میں ہرگز بزور شمشیر دین حق کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اس کے کہ وہ بجبر اپنے دین کی اشاعت کرتے، وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب و رسوم اور اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی اور اس آزادی کے معاوضے میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو ان مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے نہایت ہی کم تھا۔(۲۱)

یہی مصنف سیدنا عمرؓ کے سلوک کا تذکرہ کرتا ہے جو انہوں نے اہل بیت المقدس سے کیا:

بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام، اقوام مفتوحہ کے ساتھ کیا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک ان مدارات کے مقابل میں جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کی، نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے، اس وقت حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمے دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے"۔(۲۲)

جو سلوک عمرو بن العاصؓ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا، اس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ پوری مذہب کی آزادی، پورا انصاف، بلا رورعایت اور جائیداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے، اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شہنشاہ یونان ان سے وصول کرتے تھے، صرف ایک معمولی سالانہ جزیہ لیا جائے گا جس کی مقدار فی کس دس روپے تھی۔(۲۳)

خلفاء اسلام اپنے معاہدوں پر کس قدر مضبوطی سے قائم تھے اور عام لوگوں سے کتنا عادلانہ رویہ اختیار کیا اس کا اندازہ اسی مصنف کے الفاظ سے کریں وہ لکھتا ہے:

> عمال اسلام اپنے عہد پر اس وجہ مستحکم رہے اور انہیں نے اس رعایا کے ساتھ جو ہر روز شہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھوں سے انواع واقسام کے مظالم سہا کرتی تھی، اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بکشادہ پیشانی دین اسلام اور عربی زبان کو قبول کرلیا، میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہرگز بزور شمشیر نہیں حاصل ہوسکتا۔(۲۴)
>
> اسلام دین امن وسلامتی ہے لیکن اسے دفاع کا حق اللہ پاک نے دیا ہے، اگر کفر اسلام کو منانے پر تل جائے تو مسلمانوں کو اجازت ہے کہ پوری قوت کے ساتھ دفاع کریں، اس دفاع میں وہ حق پر ہیں تو اللہ کی نصرت ان کے ساتھ شامل ہوگی۔

عصر حاضر کا شر:

اس وقت مسلمان پوری دنیا میں مظلوم ہیں، مختلف کافر قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں، ان کی بستیوں کو تباہ کیا جارہا ہے ان کے وسائل کو لوٹا جارہا ہے ان کے بچوں اور عورتوں کو مارا جارہا ہے، ان کے جوانوں اور ان سے کے بوڑھوں کو قتل کیا جارہا ہے اور الٹا عالمی سطح پر ان کے خلاف دہشت گردی اور تشدد کا الزام لگایا جارہا ہے تاکہ مسلمان دفاع نہ کرسکیں اور کافروں کے مظالم کا شکار ہیں، ایسے حالات میں مسلمانوں کے اہل علم کی ذمے داری ہے کہ کافروں کی سازشوں کو بے نقاب کریں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۃ الکافرون
۲۔ تفسیر الجلالین/ ج ۲، ص ۵۰۵
۳۔ سورۃ البقرۃ ۲۵۶
۲۔ تفسیر الجلالین، ج/ ۱، ص/ ۴
۵۔ سورۃ الانعام
۶۔ تفسیر الجلالین، ج/ ۱، ص/ ۱۲۲
۷۔ تفسیر الجلالین، ج/ ۱، ص/ ۱۲۲
۸۔ سورۃ النحل
۹۔ تفسیر الجلالین، ج/ ۱، ص/ ۲۲۸
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ تفسیر کبیر امام راضی جلد اول/ بذیل مذکورہ آیۃ
۱۳۔ اسلام اور رواداری مصنف رئیس احمد جعفری ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۵۷ء حصہ دوئم صفحہ ۱۷۸
۱۴۔ ایضاً/ ص ۱۹۲
۱۵۔ طبقات ابن سعد/ ج ۳، قسم اول/ ۱۲۹ اور البدایۃ والنہایۃ لابن اثیر/ ج ۵، ص ۲۴۸
۱۶۔ اسلام اور رواداری مصنف رئیس احمد جعفری حصہ دوم/ ص ۲۷۲ بحوالہ فتوح البلدان البلاذری/ ص ۱۰۷
۱۷۔ امام بخاری، صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی وابی بکر حدیث نمبر ۲۲۳
۱۸۔ اسلام اور رواداری/ ص دوم، ص ۳۱۳، ۳۱۴
۱۹۔ ایضاً/ ص ۳۵۸
۲۰۔ ایضاً/ ص ۳۵۹
۲۱۔ تمدن عرب (اردو ترجمہ بلگرامی/ ص ۱۳۱
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ایضاً/ ص ۱۳۲
۲۴۔ ایضاً

پیام وتمنا

یہ عالم اسلام کہ ہے ملت بیضا
مربوط و درخشاں صفت عقدِ ثریا
اک باغ کے سب پھول ہیں اک ہار کے موتی
اللہ رے! کثرت میں یہ وحدت کا تماشا
رب ایک نبی ایک، کتاب ایک، حرم ایک
اس واسطے ہے سود و زیاں ایک ہی سب کا
سب ایک ہی کشتی کے ہیں دارصل مسافر
ترکی ہو کہ ایران، یمن ہو کہ ملایا
ہے ایک ہی انداز، سکوں ہو کہ تموج
وہ نیل کا ساحل ہو کہ راوی کا کنارا
خطوں کی جدائی نہیں روحوں کی جدائی
اسلام ہے خود اپنی جگہ ربط سراپا
ہیں وحدتِ افکار و نظر کے یہ کرشمے
ہے نجد کے صحرا میں بھی گلشت مصلا
ملت سے جدا ہو کے کوئی جی نہیں سکتا
ماہی کے لئے موت ہے جھٹ جائے جو دریا
اخلاق و یقیں کے لئے پیغام اجل ہیں
افرنگ کی وہ شام ہو یا سرخ سویرا

حافظ زاہد محمود

مغربی رواداری اور عراقی قیدی

ابوغریب جیل میں عراقی قیدیوں پر ہونے والے مظالم کی صدائے دلسوز دنیا کے ہر ہر کونے میں سنی گئی، یہ بھی سنا گیا تھا کہ ان مظالم کے مرتکب فوجیوں کو امریکی حکومت نے سخت سزا یہ دی تھی کہ ابوغریب جیل کی انچارج خاتون فوجی افسر جینس کارپنسکی کو برطرف کر دیا گیا اور دوسرے فوجی افسر کو ایک سال کی سزائے قید سنا دی گئی، بس انصاف کا تقاضا پورا ہو گیا، اس کے بعد یہ معاملہ عالمی میڈیا سے گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا، کچھ پتہ نہ چلا کہ ان مظالم کے پس پردہ حقائق کیا تھے؟ کیا یہ نچلے درجے کے چھوٹے فوجیوں کی اپنی کارستانی تھی یا ان کو پینٹاگون کی طرف سے باقاعدہ آرڈر موصول ہوا تھا؟ کچھ عرصہ کے لئے یہ مسئلہ رفع دفع ہو گیا، مگر پھر اچانک ہی امریکی سینیٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے اس بارے میں مکمل طور پر تحقیق و تفتیش شروع کر دی، اس دوران ایسے ایسے سنگین مظالم کی داستانیں سامنے آنا شروع ہوئیں کہ انہیں سن کر خود کمیٹی ارکان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس بارے میں واشنگٹن پوسٹ نے لکھا تھا کہ ''عراقی قیدیوں کو اذیت دینے کے لئے ایسے ایسے حربے اختیار کئے گئے کہ اس سے پہلے ان کا تصور بھی نہیں کیا گیا ہوگا، تفتیش کے بعد ان مظالم کی داستان اتنی طویل تھی کہ آرمڈ سروسز کمیٹی نے جب رپورٹ مرتب کی تو اس کا حجم 6 ہزار صفحات پر مشتمل تھا، جس کے ساتھ ہزاروں تصاویر، ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز بھی شامل تھیں، مگر امریکی حکومت نے اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس رپورٹ کو منظر عام پر نہیں آنے دیا، لیکن امریکی حکومت کی بدقسمتی کہیے کہ آرمڈ سروسز کمیٹی کے ایک ممبر کے توسط سے اس رپورٹ کی ایک کاپی مصر کے اخبار ''اسبوع'' کے چیف ایڈیٹر کے ہاتھ لگ گئی، اصل رپورٹ کافی طویل اور انتہائی سنسنی خیز انکشافات پر مبنی ہے، جس کی طوالت و ضخامت کا یہ صفحہ قطعاً متحمل نہیں ہو سکتا، لہذا آپ کو امریکیوں کی اخلاقیات و نفسیات سے متعارف کرانے کے لئے اس رپورٹ کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے، جس میں آرمڈ سروسز کمیٹی کے ممبرز اور دو اعلیٰ امریکی فوجی حکام کے

مابین تفتیشی گفتگو کی روداد قلم بند کی گئی ہے، ان فوجی حکام میں سے ایک پینٹاگون کے انٹیلی جنس سربراہ جنرل رونالڈ یورگس ہیں اور دوسرے بری افواج کے قانونی سربراہ جنرل ٹامس ویگ ہیں، واضح رہے کہ شروع میں ان کم عمر بچوں سے متعلق بات چیت ہورہی ہے جو امریکی فوج کے تشدد کا نشانہ بنے، اب آپ ان کی گفتگو ملاحظہ کیجئے۔

کمیٹی: کیا تم نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ یہ تمام بچے اور لڑکے دہشت گرد افراد کے رشتہ دار واقربا ہیں؟ ٹامس رویگ: ہاں! ہمارے پاس ثبوت کے طور پر خفیہ رپورٹیں موجود ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے وزیر دفاع کے انٹیلی جنس مشیر جنرل اسٹیفن کسبن کو بھی اس معاملے کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ کمیٹی: اس بارے میں جنرل کسبن کا ردعمل کیا تھا؟ یورگس: ہمیں جنرل کسبن کی طرف سے 18 امریکی فوج کے آفیسروں کی رہائی کی خاطر ٹارچر کو جاری رکھنے کا حکم ملا۔ کمیٹی: حکم کی تفصیلات کیا ہیں؟ یورگس: بچوں پر اس وقت تک ٹارچر کیا جائے جب تک ان کے دہشت گرد رشتہ دار اپنے آپ کو ہمارے حوالے نہیں کردیتے۔ کمیٹی: ان بچوں کی تعداد کتنی ہے؟ یورگس: 60 سے زائد بچے ہیں۔ کمیٹی: ان پر ٹارچر کس طرح کیا جاتا تھا؟ یورگس: شروع میں یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہم نے بچوں کو گرفتار نہیں کیا تھا، بلکہ ہم نے دہشت گردوں کی صرف بیویوں اور بیٹیوں کو گرفتار کیا تھا جنہوں نے اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار کیا، جس کی وجہ سے انہیں بھی گرفتار کرلیا گیا۔

کمیٹی: تو پھر تمہیں کس چیز نے بچوں کے ٹارچر پر مجبور کیا؟ یورگس: ظاہر ہے کہ دہشت گرد افراد نے امریکی فوج سے اتنی تعداد میں افراد اغوا کرلئے ہیں کہ وہ کافی حد تک امریکا کے لئے پریشانی کا باعث بن گئے، اس لئے ضروری تھا کہ ہمارے بس میں جو کچھ ہے وہ کرگزریں تاکہ ان لوگوں کو امریکی فوج کے آفیسرز کو رہا کرنے پر مجبور کیا جاسکے، جنرل کسبن نے یہ احکامات جاری کئے کہ دہشت گردوں کو اپنے بلوں سے نکلنے پر مجبور کرنے کے لئے تم جو کچھ کرسکتے ہو کرو۔ کمیٹی: عورتوں کے ساتھ تم کیا کرتے تھے؟ یورگس: عراقی عورتیں پوچھ گچھ میں ہمارے ساتھ بالکل تعاون نہیں کرتی تھیں اور وہ غیر معمولی سکون واطمینان میں ہونے کے ساتھ پختہ حوصلہ اور ٹھنڈے جذبات واعصاب کی حامل تھیں، ہم چاہتے تھے کہ انہیں ڈرا کر